پوزیشن پیپر- آئی ایس ایم سی کے حکومتی پروگرام پر مباحثوں کی سیریز 2017 میں مصنف کی جانب سے پیش کیئے گئے۔
برائے مہربانی مصنف کی پیشگی اجازت کے بغیر اس کا حوالہ نہ دیں یا اسے آگے نہ پھیلائیں ۔

شام کے لئے روس کا آئینی مسوّدہ : خطّے کی حکومت پر غور و فکر

لیف سٹین برگ

ڈائریکٹر، اے کے یو- آئی ایس ایم سی

درج ذیل تحریر میں میرا نقطہ نظر کچھ میرے پیشے اور کچھ شام میں میرے فیلڈ ورک کے تجربات پر مبنی ہے۔ میں اسلامیات کا پروفیسر ہوں اور شام میں میری تحقیق کا مرکز دمشق میں ایک مذہبی تحریک تھی۔ اس تحریک کو سمجھنے اور اس کا تجزیہ کرنے کے لئے میں نے ایک نقطہ نظر اپنایا ہے جس کی رو سے میں سمجھتا ہوں کہ مذہب اور کسی مذہبی تحریک کو سمجھنے کے لئے اسے معاشرے کا حصہ سمجھنا ضروری ہے نہ کہ اس سے الگ تھلگ کوئی چیز۔ ایک اور مقصد روزمرہ زندگی میں مذہب کے کردار اور کام کے بارے میں سوچنا ہے۔ کچھ حالیہ تجربات پر روشنی ڈالنے اور اس نقطہ نظر کو حکمرانی اور شامی آئین کے لئے روسی مسوّدے سے منسلک کرنے کے لئے میں شامی مذہبی لیڈروں کے انٹرویو کے دو اقتباسات سے آغاز کرتا ہوں جو جنوری 2017 کے اوائل میں بیروت میں لئے گئے تھے۔

کچھ عرصے سے میں بیروت میں شامی مذہبی لیڈروں سے انٹرویو لے رہا ہوں۔ وہ دمشق سے آتے ہیں اور ہم مرکزی شہر کے ایک ہوٹل میں ملاقات کرتے ہیں۔ ان میں سے کچھ کو میں تقریباً بیس سال سے جانتا ہوں۔ عموماً ہم ملاقات کا آغاز دمشق اور شام میں ہونے والے حالیہ واقعات کے بارے میں بات چیت سے کیا کرتے تھے۔ میرے ایک دوست ایک معمر شخص ہیں جو 1930 میں پیدا ہوئے اور اب عمر کے اسّی سال پورے کرنے کے قریب ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ اپنے دوستوں کے ساتھ بات چیت کے دوران ان میں سے بہت سے نفسیاتی طور پر تھکے ہوئے ہیں اور حقیقتاً اپنی ذاتی صورتحال اور ملک میں ہونے والی جنگ پر تبصرے سے گریز کرتے ہیں۔ مزید برآں میرے دوست نے بتایا کہ اکثر گفتگو الحمدللہ جیسے فقرات پر ختم ہوتی ہے جو اس تناظر میں عمومی طور پر زندگی کے بارے میں ان کے منتشر نقطہ نظر کے ساتھ ساتھ اس خیال کی عکاسی کرتا ہے کہ صرف ایک دکھائی نہ دینے والا خدا ہی جانتا ہے کہ شام کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔

بیروت میں ہونے والی ملاقات میں شرکت کرنے والے ایک اور مذہبی لیڈر نے بتایا کہ 2011 سے قبل وہ مذہبی اقدار پر قائم کی جانے والی پارٹیوں کے حامی تھے اور یہ کہ وہ حقیقی اسلام کی نمائندگی کرنے والی پارٹی کی تشکیل شام کو ایک خوشحال ملک بنانے کے لئے ضروری سمجھتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ ایک سیاسی پارٹی کے ذریعے ڈھالی گئی اسلام کی درست تشریح ایک کامیاب معاشرے کی تعمیر کے لئے اخلاقی ہدایات تشکیل دے گی۔ تاہم جنوری 2017 میں انہوں نے اپنی سوچ کو مکمل طور پر تبدیل کر لیا تھا۔ اپنے جنگی تجربات کی وجہ سے اب ان کا خیال تھا کہ مذہب کو جس حد تک ممکن ہو سیاست سے دور رکھنا چاہیئےاور اسلامی پارٹی کے بارے میں ان کے گذشتہ خیالات ناپختہ تھے۔

میرے خیال میں یہ دو کہانیاں ان خیالات کی مثالیں ہیں جنہیں عموماً سنا نہیں جاتا اور جو شام میں نئے آئین کی تشکیل سے متعلق دو مشکلات کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ پہلی کہانی شام میں ہونے والی جنگ کے بارے میں تقریباً مایوس کن مؤقف کی نمائندگی کرتی ہے۔ ایک گہرائی تک جانے والا ناامیدی کا احساس جو مسلسل جاری

پوزیشن پیپر- آئی ایس ایم سی کے حکومتی پروگرام پر مباحثوں کی سیریز 2017 میں مصنف کی جانب سے پیش کیئے گئے۔
برائے مہربانی مصنف کی پیشگی اجازت کے بغیر اس کا حوالہ نہ دیں یا اسے آگے نہ پھیلائیں ۔

بحران میں ہر روز بڑھتا رہتا ہے۔ ایک ناامیدی جو شام اور شامیوں کو اکیلا چھوڑ دینے اور / یا ان سے دستبردار ہونے کے احساس سے منسلک ہے۔ اگر یہ شامیوں کے عمومی مزاج کی نمائندگی کرتا ہے تو یہ دیکھنا مشکل ہے کہ کسی غیر ملک کی طرف سے ایک نئے آئین کے بارے میں تجاویز کو کس حد تک مثبت انداز میں لیا جائے گا۔ لہٰذا ایک نقطہ جس پر میں زور دینا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ اگر آئین کو ملک گیر ریفرنڈم کے ذریعے اپنایا جائے گا، جیسا کہ آئین کے مسوّدے میں بیان کیا گیا ہے، تو پھر شامیوں کو اس کے مسوّدے کی تیاری میں شامل کیا جانا چاہیئے۔ یہ نئے آئین کو شامیوں سے متعارف کروانے کے نقطہ نظر سے ہےاس سے قطع نظر کہ وہ ملک شام میں ہیں یا نہیں۔ اس کے علاوہ سیاسی عمل کے لئے شامی آبادی کااعتماد حاصل کرنا ضروری ہے۔ اگر آبادی کا ایک بڑا حصّہ ریفرنڈم کروانے کی وجہ کو نہیں سمجھتا تو ایک آئین سے متعلق ریفرنڈم خاطر خواہ قدر کا حامل نہیں ہوگا۔ شام میں آزادانہ اور منصفانہ انتخابات کا تجربہ بہت محدود ہے۔

دوسری کہانی شاید اس مؤقف کو ظاہر کرتی ہے جو ان مذہبی لیڈروں کی طرف سے اپنایا گیا ہے جو شامی حکومت یا اسلامی تحریکوں جیسا کہ اسلامک اسٹیٹ ، جباحت فتح الشام (سابقہ جباحت النصرہ)اور احرار الشام سے منسلک نہیں ہیں۔ میں ان مذہبی لیڈروں کا حوالہ دے رہا ہوں جو مارچ 2011 سے قبل شامی معاشرے میں دیہاتوں، شہری علاقوں اور میڈیا میں ممتاز افراد تھے۔ وہ مذہبی لیڈر جنہوں نے لوگوں اور حکومت کے درمیان توازن برقرار رکھنے کا کردار ادا کیا ہے۔

سُنی ہونے کی صورت میں ان لیڈروں کو اکثر عالمی اور مقامی صوفی نیٹ ورک معاشی مفادات اور سیاسی عزائم سے منسلک کیا جاتا تھا۔ پھر بھی روسی آئینی مسوّدے کی سیکولر حیثیت کو شاید پہلے پہل معاشرے میں مذہب اور مذہبی لیڈر کے کردار کو کمزور کرنے والا عمل سمجھا جا سکتا ہے۔ تاہم اگر اس کے ساتھ ساتھ ایسے مذہبی لیڈر موجود ہوں جو پہلے ہی مذہب اور سیاست کی علیحدگی کے حامی ہوں تو وہ سمجھ سکتے ہیں کہ اس قسم کی تحریر ان کے حق میں کارفرما ہو گی۔ یہ بھی نوٹ کیا جانا چاہیئے کہ 2012 کے شامی آئین کی طرح آئینی مسوّدہ قانون سازی کے اہم ذریعے کے طور پر اسلامی فقہ کا ذکر نہیں کرتا۔ شام کے قانونی فریم ورک سے فقہ کو ختم کرنا ایک مشکل کام ہو سکتا ہے لیکن مجھے یقین نہیں ہے کہ تمام مذہبی لیڈر اس کے مخالف ہوں گے۔ میرے دوست جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ شاید یہ کہیں گے کہ موجودہ تناظر میں اسلامی فقہ کو قانونی نظام کے لئے ایک واضح ذریعہ سمجھنے کی بجائے ایک ماڈرن مسلمان کو روزمرّہ زندگی میں اخلاقی ہدایات فراہم کرنے کا ذریعہ سمجھنا زیادہ فائدہ مند ہو گا۔

دونوں کہانیاں حکومت اور اسلامی تحریکوں سے باہر شامی آوازوں کے ساتھ ساتھ بہت سے ایسے لوگوں کی آواز کی نمائندگی کرتی ہیں جو اب شام میں موجود نہیں ہیں۔ کچھ لوگوں میں شام کی جنگ میں مذہب کے کردار سے متعلق بے زاری پائی جاتی ہے۔ جھگڑے میں شام اور شامیوں کے لئے غیر موجود تصوّر کی جانے والی حمایت سے متعلق مایوسی کا عام احساس بھی پایا جاتا ہے۔ مذہبی لیڈروں کے درمیان جو مذہبی تحریکوں یا عیسائی ملیشیا کے طرفدار نہیں ہیں اور نہ حکومت کے تابع ہیں، آئین کے مسوّدے کا متن ایک نئے ڈھانچے کے موقعے کی نمائندگی کر سکتا ہے۔ خاص طور پر اگر آئینی مسوّدہ مذہبی وزارت (اوقاف) کا خاتمہ بھی تجویز کرتا ہے۔

پوزیشن پیپر- آئی ایس ایم سی کے حکومتی پروگرام پر مباحثوں کی سیریز 2017 میں مصنف کی جانب سے پیش کیئے گئے-
برائے مہربانی مصنف کی پیشگی اجازت کے بغیر اس کا حوالہ نہ دیں یا اسے آگے نہ پھیلائیں -

شام میں 2011 سے قبل شہری اور شام میں مکمل شہریت کے حقوق کے بغیر رہنے والے لوگ مثلاً فلسطینی ، قانون کے تحت یا لیبر مارکیٹ میں یا عام طور پر معاشرے میں برابر نہیں تھے۔شام کے علماء نے نشاندہی کی ہے کہ موجودہ حکومت کیسے مختلف نسلی یا مذہبی گروپوں ، خاص طور پر اقلیتی گروپوں کے ساتھ مذاکرات کرتی ہے۔ بنیادی مقصد شہریوں کے وفادار گروپ تشکیل دینا ہے۔ جو حکومت کی حمایت کے ذریعے مراعات حاصل کر سکتے ہیں۔ لہٰذا نسل یا مذہبی وابستگی کی بنیاد پر ایک شہری کی حیثیت سے آپ کی قدر کا اندازہ لگایا جاتا ہےاور گروپ کی سطح پر آپ مذاکرات سے مشروط ہوتے ہیں۔ جس کا نتیجہ آپ کی کمیونٹی کو مخصوص حیثیت دیتا ہے۔

اگرچہ شاید یہ سلطنتِ عثمانیہ کے دور سے ورثے میں ملنے والا عمل ہے کہ ملک کے اندر کردوں، فلسطینیوں، ایلاوس، سنیوں اور شیعوں کے لئے روزگار کے مواقع نسلی یا مذہبی وابستگی پر پیدا کیئے جاتے ہیں۔ زیادہ تر عہدوں اور خاص طور پر ریاستی انتظامیہ میں اعلیٰ عہدوں پر تقرری میں ہمیشہ ایک نسلی اور مذہبی عنصر موجود ہوتا ہے۔ تقرریوں کا یہ طریقہ کار انفرادی حقوق اور سرکاری ملازمین کے کردار سے متعلق آئینی مسودے کے متن سے مطابقت نہیں رکھتالیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ عمل ایک طویل عرصے سے شامی معاشرے کی ایک خصوصیت بھی ہے۔

علاوہ ازیں یہ بھی نوٹ کیا جانا چاہیئے کہ اس تناظر میں شام میں اکثریت اور اقلیت کا سوال سیکورٹی کا مسئلہ ہے۔ اقلیت اور اکثریت کا سوال ایسی صورتحال میں بھی دلچسپی کا باعث بن جاتا ہے جہاں سوال صرف سیاسی قوت کا نہیں بلکہ اقتدار تک رسائی کا بھی ہو مثلاً لیبر مارکیٹ۔عام طور پر حکومت کی پالیسی شامی معاشرے کے مختلف گروپوں میں بد اعتمادی کی فضا پیدا کرنااور اس بات کو یقینی بنانے کے لئے ان سے مذاکرات کرنا ہے کہ وہ – حکومت- تحفظ کے ساتھ ساتھ مواقع فراہم کرنے کا ذریعہ بن جائے۔خاص طور پر مارچ 2011 میں ہونے والے احتجاج ریاستی حکام کے طاقت کے غلط استعمال ، سرکاری ملازمین کی جوابدہی نہ ہونے اور وسیع پیمانے پر ہونے والی بدعنوانی کے خلاف تھے۔2011 اور 2012 کے مظاہروں میں سب سے نمایاں دو نعرے، عزت کا حق اور آزادی کا حق تھے۔ اس تناظر میں مسئلہ حکومت تھی-آمرانہ شامی ریاست – جو 2011 کی بغاوت کا سبب تھی۔ ایک ریاست جو بنیادی طور پر فعال ریاستی اداروں کی ترقی کے بجائے سیکورٹی کے مسائل کے بارے میں فکر مند تھی۔

شام ممکنہ طور پر – میں نے اوپر جو نکات بیان کیئے ہیں، ان کے مدِّ نظر- ایک ایسی ریاست کی مثال ہے جس نے عدم اعتماد کی پالیسی مرتب کی ہے اور سماجی معاہدے کی دراڑیں اس سے منسلک ہیں۔یہاں "سماجی معاہدے" کی اصطلاح سے مراد صرف ایک ایسا معاہدہ ہے جو ریاست کے کردار اور معاشرے میں ایک فرد کو قانونی حیثیت دیتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ زیادہ تر شامیوں کی نظر میں آمرانہ اور درجہ بندی والی شامی ریاست اور اس کے اداروں میں اعتماد کا فقدان ہے، خاص طور پر حقوق کی ایک بڑی تعداد کے پورا کرنے سے متعلق، جو موجودہ آئین کے ساتھ ساتھ آئین کے مسوّدے میں بھی درج ہیں۔اعتماد میں شدید کمی موجود ہے، شہریوں کو بھروسہ نہیں ہے کہ ریاست اپنی ذمہ داریاں پوری کرے گی اگر اوپر مذکورہ خیال درست ہے یعنی شام ایک ایسی ریاست کی مثال ہے جس نے شامیوں کے مختلف گروپوں کے درمیان بد اعتمادی پیدا کی اور اس کی نگرانی کی ہے تو پھر اس کا تعلق ریاستی اداروں کی صلاحیتوں کے بارے میں یقین کی کمی سے

ہے۔ اگر یہ مفروضہ درست ہے تو دراڑوں والے سماجی معاشرے کا درجہ بندیوں والے رخ کے ساتھ ساتھ ایک افقی رخ بھی ہے۔ آئینی مسوّدے سے متعلق میری رائے میں مارچ 2011 کے بعد کی صورتحال تو دور کی بات ہے، آئینی مسوّد ے میں سماجی معاہدے کی تفصیل اور مارچ 2011 سے قبل شامیوں کے روزمرّہ حقائق میں بھی بہت بڑا فرق موجود ہے۔ تاہم زیادہ سے زیادہ شامیوں کو آئینی مسوّدے کی تشکیل میں شامل کرنے کے خیال کی حمایت شامی معاشرے کی صحت یابی کے عمل کا حصہ بھی ہو سکتی ہے۔

مسلسل جاری جنگ نے شام میں آبادیاتی نقشے، سماجی تعلقات ، سیاسی زندگی ، معاشی حقائق اور مذہبی منظر کو تبدیل کر دیا ہے۔ پھر بھی جب باالآخر امن قائم ہو گا تو یہ مذہب کے کردار ، مذہبی کمیونٹیز اور مذہبی لیڈروں سے متعلق جو خلاء پیدا کرے گا وہ غیر واضح ہے۔ یقیناً یہ جگہ مذہب اور / یا اسلام کی نئی تفہیم سے پُر کی جا سکتی ہے۔

شام کبھی بھی پہلے جیسا نہیں ہو گا لیکن نتائج کے بارے میں قیاس آرائی کرنا مشکل ہے۔تاہم شام کے نوجوانوں سے متعلق بہت سارے سوالات ، جنہیں حل کرنے کی ضرورت ہے، سے متعلق دو نکات ہیں جو آپس میں مربوط ہیں؛ اوّل یہ کہ مارچ 2011 سے قبل شام کی 50 فیصد آبادی 25 سال سے کم عمر افراد پر مشتمل تھی۔ 2017 میں موجودہ شام کے بارے میں مباحثوں میں نوجوانوں کے کردار پر مشکل سے اور کبھی کبھار ہی بات کی جاتی ہے۔ تاہم نوجوانوں کی آواز کو مذاکرات کے ساتھ ساتھ امن قائم ہونے کے بعد ملک کی تعمیرِ نو کا حصہ بنانا بھی ضروری ہے۔ دوئم اگر یہ مفروضہ درست ہے کہ شامی نوجوان مذہب اور مذہبی رسومات ادا کرنے سے منہ موڑ رہے ہیں ، کیونکہ ان کے خیال میں" مذہب"، چاہے اس تصور کی وجہ کچھ بھی ہو، اس جھگڑے کا سبب ہے، تو پھر سیکولر نقطہ نظر سے تشکیل دیئے گئے بالکل واضح آئین کو خاطر خواہ پذیرائی مل سکتی ہے۔ شاید اس مرحلے پر سب سےبڑا چیلنج آئین کے مسوّدے کی تیاری میں نوجوان شامیوں کی شرکت کا انتظام کرناعمومی طور پر امن کا طریقہ کار ہے۔

آخر میں ، ایک وسیع نقطہ نظر سے، شام میں ہونے والے مباحثے کئی افریقی اور ایشیائی ممالک کے ساتھ ساتھ مشرقِ وسطیٰ کے کئی علاقوں سے مماثلت رکھتے ہیں۔ شام کا آئین پر ہونے والا تازہ ترین ریفرنڈم 2012 میں ہوا تھا اور 1971 سے اب تک مصر اپنے آئین کے متن پر کم و بیش 10 ریفرنڈم کروا چکا ہے۔ اضافی طور پر، غیر سرکاری تنظیموں کے نمائندگان نے ، مثال کے طور پر، کئی مواقعوں پر اس امید کا اظہار کیا ہے کہ ایک نیا آئین ان ممالک کو دوبارہ اصل راہ پر ڈالنے میں معاون ثابت ہو گا۔ انہیں امید ہے کہ آئین بطور ایک دستاویز معاشرتی مایوسی کو ختم کر سکتا ہے، باہمی تعلقات بحال کر سکتا ہے اور حکومت اور شہریوں کے مابین دوری کو ختم کر سکتا ہے اور، لہٰذا، ریاست اور شہریوں کے درمیان ایک صحت مند سماجی معاہدہ قائم کر سکتا ہے۔ مجھے اس موقع پر اوپر بیان کردہ مسائل کے حوالے سے کسی قسم کی کوئی امید نظر نہیں آتی۔ البتہ، مارچ 2011 سے اب تک شام کے مسئلے سے ایک چیز واضح ہے کہ یہ بدل چکا ہے اور غیر متوقع طور پر یہ ایسا رخ اختیار کر چکا ہے جس کے بارے میں کسی کو اندازہ نہیں تھا، اور یہ کہ دوبارہ بھی ایسا ہو سکتا ہے۔